اسلامی عبادات
اور
ان کی روح
مؤلف
محمد ارشاد علی

تفصیلات طباعت

نام کتاب	اسلامی عبادات اور ان کی روح
مؤلف	الحاج قاری محمد ارشاد علی
صفحات	۳۹
اشاعت	جون ۲۰۰۷
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

تنبیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کریں؟اس کے صرف دو وجوہات ہیں ۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت ،انسان کی حیات یعنی انسان کا وجود ہے۔انسان کو خود اپنی موت اور حیات پر اختیار نہیں ہے ۔انسان کا عدم اور انسان کا وجود سب اُس کی مرضی کے تحت ہے ، پھر اس کے ساتھ صحت بھی اُس کی عطا ہے ۔ ہماری بقاء و حیات کے لیے ساری مخلوق کو انسان کی خدمت میں لگا دیا اور یہ بات خود انسان کے لیے باعث عزت بھی ہے ، پھر انسان کو اسباب دنیا سے کام لینے کا حکم دیا (اسباب میں تاثیر کو مصلحتاً اپنے ہاتھ میں رکھا اور اسباب دائرہ تقدیر سے باہر نہیں ہیں) چنانچہ انسانی زندگی کا دارومدار اِن سب چیزوں پر ہے اور اُن سب کا دارومدار انسان پر نہیں ہے ۔اگر انسانی وجود ختم بھی ہو جاتا ہے تو ساری مخلوق اپنی جگہ قائم رہے گی۔اس سے پتہ چلا کہ ساری مخلوق کو اور کائنات کو انسان کے لیے پیدا کیا گیا اور ساری چیزیں انسان کے لیے ہیں ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرۃ: ۲۹) اور خود انسان ان میں سے کسی کے کام کا نہیں ، پھر آخر انسان کس کام کا ہے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ انسان مخلوق کے خالق کے لیے ہے کہ خالق کو معبود مان کر ، حاکم اور مالک مان کر اس کی اطاعت کرے اس لیے کہ انسان کا وجود اُسی کی طرف سے ہے ، بقاء وجود کا انتظام اُسی کی طرف سے ہے ، بقاء نسل آدم کا اہتمام اُسی کی طرف سے ہے ، مکمل قانون حیات کی فراہمی اُسی کی طرف سے ہے ۔اس طرح اُس کے احسانات بے شمار ہیں ، سمندر کے کنارے ریت کے ذرات کو شمار کیا جا سکتا ہے لیکن اُس کے احسانات اَن گِنت ہیں ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم سارے انسانوں کو ہے۔ کافر کے لیے ایمان لانا عبادت ہے ، ملحد کے لیے توحید کا اقرار کرنا اور رسالت کی تصدیق کرنا عبادت ہے، منافق کا مخلص بن جانا عبادت ہے،گناہ گار کاگناہ ترک کرنا عبادت ہے۔

تمہیداً عرض کروں گا کہ اسلام میں شریعت کے احکام چھ چیزوں کے لیے ہیں ۔(۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) فطری خواہشات (۵) سزائیں (۶) اخلاقی آداب

اعتقادات:- یہ پانچ ہیں،

(۱) اللہ کی ذات کا،اُس کی صفات کے ساتھ اقرار کرنا۔

(۲) فرشتوں کا اثبات۔

(۳) کتاب پر ایمان۔

(۴) رسول پر ایمان۔

(۵) قیامت پر ایمان۔

مذکورہ چھ چیزوں میں سے اعتقادات کو اولیت اور اشرفیت حاصل ہے، کیونکہ وہ دائرہ عِلم میں ہیں اور باقی پانچ چیزیں دائرہ عمل کی ہیں، علم اساس ہے اور عمل عمارت ہے۔ علم اصل ہے اور عمل فرع ہے، عمارت کو بنیاد کے بغیر اور فرع کو اصل کے بغیر ثبات نہیں ہے۔ اعتقادات ، اعمال پر مقدم ہیں، یہاں تک کہ مسلم اور غیر مسلم میں فرق اعتقادات کی بنیاد پر ہے نہ کہ عمل کی بنیاد پر۔

عقائد سے اعمال میں وزن ہے۔جب تک عقائد صحیح نہ ہوں تو اعمال میں وزن پیدا نہیں ہو سکتا، اسی لیے قران اور حدیث میں عقائد پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔اس سے زیادہ تاکید اور کسی چیز پر نہیں دی گئی۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ

جس پر زور دیا گیا ہے اُسی سے مسلمان کافی غفلت برت رہے ہیں ،اِسی غفلت کی وجہ سے اُمت مسلمہ جو توحید کی علمبردار تھی ،وہی شرک میں مبتلا ہو گئی ہے اور روزانہ ایک بدعت کا ایجاد ہو رہا ہے۔میں تطویل کے خوف سے اس کی تفصیلات کو قلم انداز کر رہا ہوں ۔ مختصر یہہ ہے کہ دین الٰہی میں اللہ اور رسول کی طرف سے جو کمی رہ گئی تھی اس کو ہم پورا کر رہے ہیں نَعَوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِك۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا سے مراد خالص اور درست عمل کرنا ہے۔ خالص کے معنٰی اللہ کے لیے اور درست کے معنٰی سنت کے مطابق ،اُسی وقت وہ عمل مقبول ہو گا۔

اعتقادات کے بعد عبادات کا درجہ ہے اور عبادات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ حقوق العباد کا جہاں تک تعلق ہے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعمال میں منکرات، ظلم وزیادتی وغیرہ سے بچنا،طاعات الٰہی پر مقدم ہیں۔اس کی دلیل یہہ ہے کہ اعتقادات میں پہلے تطہیر ہے، یعنی **لا اله** پھر تعمیر ہے یعنی **الا اللہ** ۔چنانچہ ترک گناہ افضل عمل ہے پہلے گناہ کو ترک کرنا پھر اطاعات الٰہی کی طرف جانا۔آخرت کی جزااور سزا کے لحاظ سے بھی حقوق العباد مقدم ہیں (اکثر گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے) فقہی احکام کی رَو سے بھی بعض صورتوں میں حقوق العباد کا مقدم ہونا ثابت ہے ،جیسے نفل نماز ادا کرتے وقت اگر اس کی ماں آواز دے تو نمازی نماز کو توڑ دے حالانکہ یہ خالص اللہ کا حق ہے (اور احناف کے نزدیک نماز شروع کرنے کے بعد خواہ وہ نفل ہی کیوں نہ ہو وہ واجب ہو جاتی ہے، اس لیے اس کو بعد میں دہرا لیں) بہر حال گناہ ترک کرنا اور منکرات سے پرہیز کرنا دعوت دین کی اصل ہے۔

اعتقادات کی کمزوری آدمی کو اعمال کی کمزوری کی طرف لے جاتی ہے، دین میں اختلافات کے کئی اسباب ہیں، جیسے جہالت، ناقص عقل کا دخل، ناقص علم کا دخل، مقامی عادات، خاندانی رسومات، ملکی روایات، اندھی تقلید اور سب سے بڑا سبب اتباع خواہشات ہے۔

عقل کامل اس وقت ہوگی جب قرآن اور سنت، عقل کے لیے روشنی بنے اور اتباع ھُدیٰ یہہ ہے کہ مومن، عقل کو محکوم اور شریعت کو حاکم رکھے اور اتباع خواہشات یہہ ہے کہ اس کا برعکس ہو، یعنی عقل حاکم ہو جائے اور شریعت محکوم۔

عبادات:-

اللہ اور بندے کے درمیان مخصوص عمل کا نام عبادت ہے۔ بندے اور بندے کے درمیان کا عمل دراصل عبادات کا تقاضہ ہے۔

عبادات میں احکام الٰہی (قران مجید) کو خدا کے حضور پڑھنا اور سننا ہے اور احکام الٰہی پر عمل، عبادت کے باہر ہوتا ہے۔جس میں اللہ کے بندوں سے سابقہ پڑتا ہے، یعنی احکام الٰہی کی تعمیل کا جو میدان ہے وہ اخلاق کا میدان ہے، معاملات کا میدان ہے۔، معاشرہ کا میدان ہے، اراکین خاندان کا میدان ہے، اس کو اگر وسعت دیں تو اُمّت مسلمہ کا میدان ہے۔ غیر قوم سے تعلقات وغیرہ کا میدان ہے، ان سارے میدانوں میں سابقہ بندگان الٰہی سے پڑتا ہے ،اُس وقت بندہ اپنی عابدانہ حیثیت کے تقاضے پورے کرتاہے۔ اس طرح عمل عبادت میں اور عمل عبادت کے تقاضوں میں ہم آہنگی کا ہونا ضروری ہے۔

جس طرح ایمان کے معاملے میں اصل چیز ذاتی معرفت ہے، اسی طرح عبادت کے معاملے میں اصل چیز خشوع ہے۔ یعنی قلبی خشوع، نہ کہ ظاہری اور جسمانی آداب کا ایک عمل۔ بالکل اِسی طرح قرآن سے تعلق کی اصل اس کی آیات میں تدبّر کرنا ہے اور اس سے نصیحت حاصل کرنا ہے، اب اگر سارا زور اس کے الفاظ کی فنّی ادائیگی پر دیا جانے لگے یا اس کو زبانی یاد کرنے پر، تو قرآن مجید نصیحت کی کتاب نہ رہ کر صرف لفظی تلاوت کی کتاب بن جائے گی۔

شریعت اور عبادات :-

عبادات، شریعت الٰہی کا بڑا جُزء ہے،انسان کائنات کے تمام قوانین اور اس میں کارفرما "مرکزی نظام" کے ادراک سے عاجز ہے، یہ جاننا تو بڑی بات ہے، وہ اس بات اور اس قانون کو بھی نہیں سمجھ سکتا جس کے ضابطہ میں اُس کی ذات جکڑی ہوئی ہے ،یہی وہ عجز ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کے لیے کوئی شریعت وضع کرنے پر قادر نہیں ہے، جس کی تنفیذ سے حیات انسانی اور حرکات کائنات کے مابین ہمہ گیر توافق ہو سکے۔

دین کی اپنی ایک حقیقت ہے اور اُس کے کچھ خارجی مظاہر ہیں۔ مظاہر کو حقیقت کی روشنی میں سمجھا جائے نہ کہ حقیقت کو مظاہر کی روشنی میں، دوسری بات یہ ہے کہ مظاہر ہی کو حقیقت نہ سمجھا جائے بلکہ حقیقت ، مظاہر سے الگ ایک چیز ہے۔

نماز:-

شریعت کے اعمال وسائل ہیں مقاصد نہیں ہیں ، ہر شریعت کا عمل ایک

مقصد رکھتا ہے اور اس کی ایک غرض ہے۔ نماز وسیلہ ہے، اس کی غرض یہ ہے کہ نمازی میں کچھ خصوصیات پیدا ہو جائیں۔ جس طرح نوٹ ایک وسیلہ ہے اور مقصد خود نوٹ نہیں ہے بلکہ اس سے ضرورت پوری کرنا ہے۔ اگر نوٹ سے ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے تو یہ وسیلہ بے کار ہے جس سے ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ اِسی طرح نماز وسیلہ ہے اور مقصد ہے ﴿تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (عنقبوت:۴۵) یعنی نماز کا اثر نمازی کی زبان پر، نمازی کے دل میں، نمازی کے دماغ میں، آنکھ میں، کان میں ہاتھ اور پاؤں میں اِس قدر رَچ بَس جائے کہ وہ نماز جیسی عبادت کے وسیلے سے نماز کے مقصد کو پانے والا ہو جائے، یہی نماز کی روح ہے۔ اگر نماز سے یہ مقصد حاصل نہ ہو تو وہ نماز ہی نہیں، جس طرح نقلی نوٹ کسی کام کا نہیں ہوتا یہی حال تمام عبادات کا ہے۔

تعمیر سیرت میں نماز کی اہمیت ہے۔ اجتماعی تطہیر اور تنظیم نماز سے ہے۔ خوشوع و خضوع یعنی انسان کی معنوی شخصیت کا اپنے رب کے سامنے جھک جانا نماز میں ہے۔ بے حیائی اور بُری باتوں سے رک جانا نماز ہی سے ممکن ہے، "لا" یعنی باتوں اور "لا" یعنی کاموں سے پرہیز کرنا نماز سے ممکن ہے۔

جان خدا کی مِلک ہے، تو اس پر عبادت فرض ہے، ہماری روح خدا کی مِلک ہے تو روح کا تزکیۂ ہماری ذمہ داری ہے، مال اللہ کی مِلک ہے تو مال کی عبادت یعنی زکوۃ ہم پر فرض ہے، عزت اور آبرو اُسی کی عطا ہے تو اس کی عبادت بھی رکھی گئی ہے۔ جب سب کی سب اُسی کی مِلک ہے تو عبادات جو وقتی ہیں ان سے آگے اطاعات تک انسان پہنچ جائے۔ عبادات کی روح باقی رہیگی تو اطاعات تک پہنچ سکینگے، اگر عبادات کی روح ختم ہو جائے گی تو کائنات کے قیام کا مقصد ختم ہو

جائے گا پھر قیام قیامت ضروری ہو جاتا ہے۔

نماز کے دو پہلو ہیں۔ نماز اس یاد دہانی کا ذریعہ ہے کہ مومن اللہ کا بندہ ہے، اس شعور کو بار بار تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جس کا بندہ ہے وہ او جھل ہے ، حواس انسانی سے دور ہے ، اس کے بر عکس شیطان، انسان کے نفس میں موجود ہے ان دو گونہ اسباب سے بندگی کے منصب کی یاد دہانی کے لیے صبح اٹھتے ہی پھر ہنگامہ عمل اور سعی کے دوران (یعنی ظہر اور عصر) پھر رات میں اس طرح نماز، ایمانیات کے تازہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر نماز کو قرآن میں ذکر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی یاد دہانی (یاد دلانا)۔ دوسری بات خدا کے احکام کو اپنی زندگی میں بجالانا ہے، گویا اطاعت امر کا جذبہ تازہ رکھنا ہے۔ تعمیر سیرت نماز کا منشأ ہے نماز ضبط نفس کا ذریعہ ہے۔

نماز کا دوسرا پہلو تنظیم جماعت ہے، چونکہ اللہ کے احکام کو انسانوں کے اجتماعی نظام اور اجتماعی تعلقات میں جاری کرنا ہے، اس لحاظ سے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ہے جس کے درمیان مساوات، محبت، ہمدردی، یک جہتی، وحدت فی العمل ہو۔

مسجد کا پنج وقتہ اجتماع، مسلمانوں کے نظام اجتماعی کی بنیاد ہے۔ یہ صَف بندی طبقاتی امتیازات کو مٹاتی ہے ، عصبیتوں کو مٹاتی ہے ، گروہ بندیوں کو مٹاتی ہے، اور اجتماعی جمہوریت قائم کرتی ہے ۔ اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں۔ امامت اور اقتدا میں اطاعتِ امیر کے رموز ہیں۔ مسجدوں میں نمازوں کی صف میں نمازی عجز و تواضع ،اتحاد اور اجتماعیت کا ثبوت دیتا ہے۔ یہی ساری چیزیں مسجد کے باہر بھی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں، کیونکہ چٹان مجتمع ہو کر طاقتور ہو جاتا ہے اور ریت منتشر ہو کر کمزور ہو جاتی ہے ، چٹان جمی ہوئی ریت ہے اور ریت بکھری ہوئی چٹان ہے۔

جاہ طلبی اختلاف پیدا کرتی ہے اور اسلام طلبی اتحاد۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے، نماز مومن کا نور ہے، نماز ساری بھلائیوں کی جڑ ہے، نماز مومن اور کافر کا فرق ہے، نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔

پستی سے سر بلندی ہو اور سر کشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

پورے دین کے صرف دو عنوان ہیں، قرآن اور نماز، یہی ایمان کی علامات ہیں۔ ایک نظری اعتبار سے اور دوسری عملی اعتبار سے۔ تمام عبادات اصلاً اس کی روح کے اعتبار سے مطلوب ہیں۔ نماز کی روح تواضع ہے، نماز میں اللہ اکبر کہنا اور پھر سجدہ، پھر اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ کا بندہ ہونے کے لحاظ سے مناسب اور صحیح رویّہ یہہ ہے کہ بندے کے اندر تواضع کا مزاج بن جائے۔ اس طرح نماز عبادت ہے اور عبادت ایک مخصوص عمل ہے اور عمل سے (یعنی رکوع، سجدہ وغیرہ) نفس کو جھکانا، نفس میں عاجزی لانا مقصود ہے۔

بندوں اور اللہ کے درمیان ربط عبادت سے ہے اور عبادات مقصد پیدائش ہے، یہ رابطہ اگر ٹھیک ہو گیا تو بندوں اور بندوں کے درمیان کا جو ربط ہے یعنی معاملات (حقوق العباد وغیرہ) وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

اسلام میں روحانی تربیت کا جو نظام ہے اس کے چار رکن ہیں۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔ نماز میں اللہ کی اطاعت کی مشق ہے، اور روزے میں تقوے کی تربیت ہے، زکٰوۃ میں مالی ایثار۔ آپس کی ہمدردی، تعاون کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ حج خدا

پرستی کے محور پر اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری بنانا ہے اور اس سے ایک ایسی بین الاقوامی تحریک چلانا ہے جو زیادہ سے زیادہ عام ہو۔

مسجد

مسجد انسان سازی کی تربیت کا مرکز ہے، یہاں کے خدا پرستانہ ماحول میں انسان کے اندر وہ صفات اور وہ کردار پیدا کیے جاتے ہیں جو دینی اور دنیوی اعتبار سے بہتر زندگی گزارنے کی کنجی ہے، لیکن مسجدیں ویران ہیں، یہ مسلمانوں کے لیے تباہی اور اللہ کا قہر نازل ہونے والی بات ہے۔

روزہ

انسانِ جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اگر وہ جسم کی بالیدگی کرتا ہے تو درندوں اور شیاطین سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ جسم، روح کی بالیدگی کا ذریعہ ہے، جسم، روح کی ترقی کے لیے ہے، روح کی ترقی کے لیے صحت مند جسم کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ انسان مادی اور روحانی کمال حاصل کرے، اس کے لیے اس کو عقل اور اختیار دیا گیا، تاکہ ان دونوں کی مدد سے جسم اور روح کے کمالات حاصل کرنے میں توازن رہ سکے۔

جسم اور اس کی خصوصیات اور اس کی صلاحیتوں کے بارے میں تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ جسم کو کمزور کر دینے سے روح طاقتور ہوتی ہے، جس طرح درخت کی بعض شاخوں کو چھانٹ دینے سے پھل اور پھول زیادہ آتے ہیں۔

ایک نابینا کا حافظہ زیادہ اچھا ہوتا ہے اور اس کے بعض حواس آنکھ والوں کے حواس سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ اگر ایک ملکہ یا قابلیت

سے کام نہ لیا جائے تو دوسرا ملکہ یا قابلیت میں زیادہ قوت آجاتی ہے۔ چنانچہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات بھی ایسے ہی ہیں کہ جسم کو کمزور کر دینے سے روح طاقتور ہو جاتی ہے

بھوک سے انسان میں عاجزی آتی ہے کیونکہ نفس کسی اور چیز سے اتنا منقصر اور ذلیل (نرم) نہیں ہوتا جتنا بھوک پیاس سے ہوتا ہے اور جب تک انسان اپنے نفس کو عاجز اور ذلیل نہیں کرتا تب تک حصول سعادت ناممکن ہے۔ عاجزی اور انکساری جنت کے دروازے ہیں اور نفس انسانی تمام خرابیوں اور حکم الٰہی کی نافرمانیوں کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ بندہ روزہ رکھ کر اپنے میں ایسی قوت پیدا کرلے جس سے سرکش نفس پر قابو پا سکے" لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ " اسی کی طرف اشارہ ہے پس اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف کرنا یہی روزے کی حقیقت ہے۔ مگر شریعت نے تمام خواہشات کے ترک کرنے کو فرض نہیں فرمایا بلکہ تین بڑی خواہشوں کو ترک کرنا فرض فرمایا ہے، انسان جب ان تینوں کے ترک پر قادر ہو جائے گا تو دیگر خواہشات پر قابو آسانی سے پالے گا۔

وہ تین فرض یہہ ہیں۔

(۱) صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھانا

(۲) کچھ نہ پینا

(۳) جماع نہ کرنا

شیطان انسانوں سے بھی ہے اور جنات سے بھی ہے، جو روزہ رکھا وہ اِن دونوں قسم کے شیطانوں سے نجات پایا۔ اس طرح روزہ تہذیب نفس اور ارتقاء روحانی کا زینہ ہے۔ ترک شر پر قادر ہونا اور ایصال خیر پر قادر ہونا اُسی وقت ممکن

ہے جب نفس پر قابو پا سکیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ روزہ بھی آدھی طریقت ہے۔ "الصوم نصب الطریقہ"۔

ضروریات زندگی کے جتنے بھی معاملے ہیں ان میں برداشت جیسی صفت کا ہر انسان میں ہونا ضروری ہے ۔ ساری عبادات میں اور ان کے علاوہ اخلاق کے معاملے میں صبر اور برداشت کی ضرورت ہے۔اسی طرح روزہ ایک عمل ہے اس کی روح برداشت اور صبر ہے، روزے کی فرضیت میں انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِی کَبَدٍ﴾ کے تناظر میں بھی صبر کی اہمیت ہے صبر بدنی یعنی مسائل اور مشکلات کو برداشت کرنا اور صبر نفسی یعنی خواہشات کو روکنا ان دونوں کی مشق روزے میں ہے، اخلاقیات کا اکثر حصہ صبر پر مبنی ہے۔

خدائی صفات کا دائرہ

اللہ تعالیٰ کے کئی صفات ہیں اور بندہ اللہ کی صفات کا ایک چھوٹا سا دائرہ بعض صفات کی حد تک رکھتا ہے۔ جیسے وہ کسی قدر صانع ہے، کسی قدر قادر ہے، رحیم ہے، کریم ہے، ستار ہے ، رزاق ہے وغیرہ وغیرہ، اسی طرح اللہ کی صفت یہہ ہے کہ وہ خود نہیں کھاتا اور سب کو کھلاتا ہے اب کوئی شخص اگر روزہ رکھتا ہے تو وہ اپنی ذاتی ضرورتوں سے رُک جاتا ہے دوسروں کو کھلاتا ہے، صدقہ، خیر، خیرات کرتا ہے ، مصیبت زدہ کی مدد کرتا ہے چنانچہ ایسے ہی کام انسان میں خدائی صفات کا ایک احساس پیدا کرتے ہیں۔ خدائی صفات کی ایک جھلک نظر آتی ہے اور یہ اصول کی بات ہے کہ اگر کسی ذات سے قریب ہونا ہے تو اس ذات کے صفات

کو اختیار کرنا پڑتا ہے اگر اللہ والی صفات کو اختیار کرے گا تو اسی قدر اللہ کی ذات سے قریب ہوتا جائے گا۔

طعام اور حیوانیت

حیوانیت ملکوتی صفات کے تابع ہونا ضروری ہے، چونکہ حیوانیت کی زیادتی ملکوتی صفت کے ابھرنے میں مانع ہے، اس لیے انسان کے لیے ضروری ہے کہ حیوانیت پر غالب آنے کی کوشش کرے چونکہ حیوانیت کے مواد کی فراہمی کھانے پینے پر مبنی ہے۔ پھر جنسی لذتوں کے لیے اَکل و شرب ایک اَعلیٰ ذریعہ ہے، اس سے رک جانا دراصل حیوانیت کو کمزور کرنا ہے۔ جہاں نماز سے نفس کو جھکایا گیا تھا وہیں روزے سے نفس کو کمزور کیا جاتا ہے، روزہ اللہ کی حاکمیت کے اقرار کو مستحکم کرتا ہے، انسان کی آزادی خود مختاری اس سے ختم ہوتی ہے، اطاعتِ امر آجاتی ہے، تقوی کی صفت پیدا ہوتی ہے، خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے، ضبط نفس آجاتا ہے، اسلامی سیرت تشکیل پاتی ہے۔

نماز سے نفس میں غرور کی جگہ تواضع کو لانا، فخر و تکبر کی جگہ عجز و انکساری کی نمو کرنا مقصود ہے تو، روزہ سے انسان میں صبر و تحمل کی صفت کو پیدا کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ دارالعمل یعنی دنیاں آزمائش کی جگہ ہے، اور اس کے لیے صبر کامیابی کی ضمانت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب حیوانیت ملکوتیت کے تابع ہو جائے روزے کو صبر کا مہینہ بھی کہا گیا ہے (شھرُالصّبر)

اللہ کی ایک صفت صبر ہے۔ صبر کا لفظ اور مادہ قرآن میں ۱۰۰ سے زائد بار استعمال ہوا ہے اور بار ہا اہل ایمان کو صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ انبیاؑء کرام کو بھی صبر کی

تلقین کی گئی ہے۔ صبر کرنا صرف انسان ہی کی خصوصیت ہے، دیگر مخلوق اس سے خالی ہے۔ حیوانات اپنی خواہشات کو روک نہیں سکتے ،اس سے پتہ چلا کہ صبر خواہشات کے مقابِل ہے۔ صبر ایک کمزوری، پسپائی ، مجبوری نہیں ہے اور ایک اضافی عمل نہیں ہے ،بلکہ صبر ایک بنیادی ضرورت ہے ۔ صبر ایک اچھی صفت ہے ، ناخوشگوار باتیں ،نا قابل مشاہدہ مناظر، نا قابل سماعت آوازیں ایسے حالات میں الجھاؤ کے بجائے اعراض کا طریقہ اختیار کرنا صبر ہے ۔ اعراض اور برداشت دونوں باتوں کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہے۔

روزہ سے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے، بدکاریوں کا میلان دور ہوتا ہے، شہوانی اور غضبی قوتیں اعتدال پر آتی ہیں ،عادات اور اخلاق میں شائستگی پیدا ہوتی ہے، نرمی پیدا ہوتی ہے، رزق اور رازق یعنی منعم حقیقی کا حقیقی طور پر شکر ادا ہو سکتا ہے۔
روزہ تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے ،روزہ میں ہمدردی کی تعلیم ہے ، صبر و استقلال کا سبق ہے ، شکر الٰہی کی ترغیب ہے ،روزے کا مقصد یہ ہے کہ رب چاہی زندگی بقیہ ۱۱ ماہ بھی چلتی رہے، اللہ کا پجاری رمضان کا پجاری نہ رہے۔

روزہ اور صحت:

روزے سے معدے کی اصلاح ہوتی ہے ، ۱۱ ماہ کا تھکا ماندہ معدہ (stomach) دوبارہ قوت حاصل کرتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز کرنا سب سے بڑا علاج ہے ،پرہیز سے بیماریاں دفع ہوتی ہیں ،بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جو بغیر کسی علاج کے پرہیز سے دور ہو جاتی ہیں، روزے سے بھوک صاف ہوتی ہے ،ہازمہ درست ہوتا ہے ، طبیعت چست رہتی ہے، ذہن تیز ہوتا ہے، حافظہ قوی ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے علم کو اور حکمت کو بھوک میں رکھ دیا ہے۔ لوگ اس کو سیری (کھانے پینے) میں تلاش کرتے ہیں، روزہ سے انسانی خواہشات کا زور ٹوٹتا ہے، بدن کا تزکیہ اور قلب کی طہارت روزے سے ممکن ہے۔ اس طرح روزہ دار اپنی زندگی میں گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، روزے سے جنسی تحریک کم ہوتی ہے، شہوت کلام کم ہوتی ہے، یعنی زیادہ بولنے کو روزہ دار کا دل نہیں چاہتا، اس طرح زبان کی آفتوں سے روزہ دار محفوظ ہو جاتا ہے۔ روزہ اس طرح ایک ڈھال ہے جو روزہ دار کو اللہ کے عذاب اور دوزخ سے حفاظت کرتا ہے۔

بہر حال ایک چیز تو یہہ ہے کہ آدمی ظاہری رونقوں کی بنیاد پر کسی کو جانے، دوسرا یہہ کہ اندرونی جوہر کی بنیاد پر کسی کا قدردان بن جائے۔ اسی طرح عمل بھی وہی بہتر ہے جو دوسرے اعتبار کو ذہن میں رکھ کر کیا جائے، کیوں کہ دینی حقیقت کے بغیر دینی ظاہر داری کی کوئی قیمت نہیں ہے اور خدا کی نظر میں باطن ہی قابل قدر ہے۔ متقیوں کی سی صورت بنانا، محسنین کے جیسے اعمال کی نقلیں اتارنا، باطن کو نظر انداز کرنا، ظاہر کو اہمیت دینا نہ صرف ایک مجرمانہ حرکت ہے بلکہ یہ ظاہر فریب کی شکلیں ایک لاش کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لوگ دین کی اصل روح سے دور اور ساری عمر ظاہری رسومات ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔

زکوٰۃ

عربی میں ز۔ ک۔ ی کے مادہ سے زکوۃ کا لفظ نکلا ہے۔
باب ثلاثی سے۔ زَکَا۔ یَزکُو۔ زکاءً۔ بڑھنا۔ پاک ہونا۔
باب تفعیل سے۔ زَکّی۔ یُزَکِّی۔ تذکیہ۔ بڑھانا۔ پاک کرنا۔

زکاۃً - زکوۃً اسم مصدر ہے بڑھوتری اور پاکی۔

سورہ توبہ کی ایت نمبر ٦٠ میں مصارف زکوۃ کا بیان ہے اور ١٠٣ میں انتظام زکوۃ کی حقیقت اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری کی تفصیلات ہیں۔

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورہ توبہ : ١٠٣)

آپ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک و صاف کر دیں گے اور ان کے لیے دعا کیجئے ، بلا شبہ آپ کی دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور سننے والا ہے۔

لفظ صدقہ کیا ہے؟

آیت مذکورہ میں لفظ صدقہ آیا ہے۔ صدقہ کا لفظ صِدق سے نکلا ہے جس کے معنی سچائی کے ہیں۔ یعنی اس مال کو صدقہ کہا جاتا ہے جو صِدق دل سے خالص اللہ کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں لفظ صدقہ کا استعمال فرض (زکوۃ) واجب (صدقہ فطر) اور نفل (خیرات) سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر نیک کام کو حدیث میں صدقہ کہا جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں تُطَهِّرُهُمْ اورتُزَكِّيهِم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوۃ، صدقات کوئی حکومت کا ٹیکس نہیں ہے ، بلکہ ان کا مقصد خود صاحب اموال کو گناہوں سے پاک کرنا ہے۔ ثانیاً اس کے ذریعے قوم کے یتیم، محتاج، فقیر، اپاہج، معذور مرد اور عورت کی پرورش کرنا ہے۔ جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو

شخص اس کا انکار تو نہ کرے لیکن باوجود صاحب نصاب ہونے کے ادا نہ کرے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

کسی چیز کی ترقی اور نشو نما میں جو چیز رکاوٹ بنے اس کو دور کرنا تزکیۂ کہلاتا ہے۔ مال کی محبت ہی انسان کے اخلاقی ارتقاء اور اس کے اعلیٰ اقدار کی نشو نما میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اللہ تعالیٰ جس رخ پر انسان کی ترقی چاہتا ہے اُس رخ کے راستے پر جو رکاوٹ ہے، وہ مال ہی کی محبت ہے۔ لہٰذا مال کی محبت دل سے نکالنے کے لیے انفاق مال ہے۔ یعنی مال کا اللہ کی رضاء کے لیے خرچ کرنا جس سے تعمیر ذات، تعمیر خودی، اصلاح باطن، تعمیر شخصیت، تعمیر سیرت و تعمیر کردار میں ترقی ہوتی ہے۔

قرآن اور حدیث کی روشنی میں زکوٰۃ اس حصۂ مال کو کہتے ہیں جو فی سبیل اللہ بطور فریضہ مالیہ کے نکالا جاتا ہے۔ کسی بھی چیز میں بڑھوتری، زیادتی ہو تو اس کو زکوۃ نہیں کہا جاتا، بلکہ ایسی معنوی (پوشیدہ) زیادتی جو من جانب اللہ بطور برکت ہوتی ہے، اسی طرح ہر پاکی کو زکوۃ نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ معنوی پاکی جو منجانب اللہ کسی کو حاصل ہو۔

احکام زکوۃ کی یہ آیت مجمل ہے، اس میں کس قسم کے اموال سے زکوۃ لی جائے اور کس قدر لی جائے اور کس قدر مال پر لی جائے، اس کی تفصیلات نہیں ہیں۔ چنانچہ تمام تر تفصیلاتِ زکوۃ بذریعہ وحی آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کر دی گئیں، چنانچہ آپ نے سارے تفصیلات تقریراً و تحریراً صحابہ کرام کے حوالے فرمایا اور یہی اُمّت کے لیے قانون زکوۃ ہے، آپ نے مسلمانوں کے چند قسم کے اموال ہی کو زکوۃ کے لیے مخصوص فرمایا اور وہ یہ ہیں:

(۱) سونا چاندی (۲) نقد (روپیہ پیسہ) (۳) اموال تجارت (۴) زرعی پیداوار (۵) مویشی (۶) معادن

مذکورہ چھ مدّاتِ زکوۃ کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے، البتہ ان کے نصاب یعنی مال زکوۃ کی مقدار کے تعین میں ایک اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے، وہ یہہ ہے کہ جس مال میں تخلیق (بڑھوتری) قدرت کی طرف سے ہے اور اس پیداوار میں انسان کا دخل نہیں ہے، ایسے مال میں مقدار زکوۃ، یعنی اللہ کی راہ میں دینے کا مال، یعنی مقدار کو سب سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ مثلاً معادن (کانوں) سے جو چیز زمین سے برآمد ہوتی ہے، لوہا، سیسہ، تانبہ، پیتل، سونا، چاندی، وغیرہ۔ ان کی پیدائش، ان کی تخلیق میں انسانی محنت اور عمل کا کوئی واسطہ نہیں رہتا، یہی حال قدیم دفینوں یا خزانوں کا ہے، جو زمین سے برآمد ہو جاتے ہیں، ایسے مال میں پانچواں حصہ زکوۃ کے طور پر دینا ہے۔ جیسے کسی نے پانچ کلو سونا کسی زمین سے پایا، تو وہ ایک کلو اللہ کی راہ میں دے، جب کہ وہ زمین کا مالک نہ ہو اور وہ خود زمین کا مالک ہے، تو پورا سونا اسی کا ہے۔ یہی حال مال غنیمت کا ہے کہ اس کا پانچواں حصہ ایک ۱/۵ بیت المال کا حق قرار دیا گیا ہے۔

دوسرا درجہ زمین کی زرعی پیداوار کا ہے، ایسی پیداوار جو صرف بارش سے پھلے پھولے اور فصل پکے، جیسے ندی، تالاب، کُنٹہ یا جھیل وغیرہ سے تو ایسی صورت میں معادن کی مقدار زکوۃ کا آدھا، یعنی ۱/۱۰ دسواں حصہ زکوۃ کے طور پر ہر فصل پر دے۔ یعنی ۱۰ من پیداوار ہو تو ایک من دے اور اگر پیداوار نمو وغیرہ کے لیے آبپاشی کسی کنویں Bore well، یا کسی جانور پر پانی لاد کر کی جائے، تو اس میں چونکہ انسانی محنت اور مال کا خرچ شامل ہے، اس لیے ایسی پیداوار کا ہر فصل پر

بیسواں ۱/۲۰ حصہ بطور زکوۃ دے۔ باغ کا بھی یہی حال ہے ،اس کو عُشر بھی کہتے ہیں۔

تیسرے درجے میں کسب، محنت، و مزدوری، ملازمت وغیرہ سے کمائے ہوئے مال، بصورت سونا، چاندی، نقد اور بصورت مال تجارت وغیرہ ہیں۔ چونکہ ان کے کمانے میں انسانی محنت اور عمل کو زیادہ دخل ہے ،اس لیے اس قسم کے مال میں نصاب مقرر کر دیا گیا ہے کہ اس قدر مال ہو تو اس مال کا 40واں حصہ ۱/۴۰ بطور زکوۃ دے۔

سونے کا نصاب 87.48 grams of gold,

چاندی کا نصاب 612.36 grams of silver

اِسی طرح اموال تجارت اور نقد کا نصاب (اموال تجارت اور نقد مال کے لیے چاندی ہی کا نصاب معیار ہے۔)

آخری درجہ میں مویشی پر زکوۃ، اس خصوص میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تحریراً ہدایت دے دی ہے ،وہی قانون زکوۃ ہے۔

جس طرح نماز کے زمرے میں فرض نمازوں کے ساتھ واجب، سنت اور نوافل نمازیں ہیں ،اسی طرح زکوۃ کے زمرے میں زکوۃ فرض ہے اور دیگر چیزیں واجب اور نفل کی صورت میں ہیں۔ جیسے صدقہ فطر ، قربانی، کفّارے ، خیر خیرات، صدقات وغیرہ۔ انفاق فی سبیل اللہ میں توسیع کی یہ صورتیں حکمت الٰہی کے تحت ہیں۔ مال کی محبت دراصل ارتقائے روحانی اور درجات تقویٰ کے حصول میں اور قربت الٰہی کے معاملے میں ایک مزاحمت ایک رکاوٹ ہے ، بالفاظ

دیگر دنیا کی محبت انسان کی سیرت سازی میں راستے کا پتھر ہے۔

روزہ، صبح صادق سے غروب آفتاب تک، کھانے پینے اور جماع سے اپنے کو روکنے کا نام ہے یہہ روزہ جیسے عمل کی تعریف ہے لیکن روزے سے جو صفات مطلوب ہیں وہ قوت برداشت کو بڑھانا، کسر نفسی لانا، روحانی ترقی کے مدارج طے کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح زکوۃ ایک مالی عبادت ہے اور اس کی عملی صورتیں مقرر ہیں، لیکن اس عمل کی روح، یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے ایک طرف مال کی محبت کم ہو، دوسری طرف اپنے مال سے مستحق لوگ مستفید ہوں، تیسری طرف اس سے حصول رضاء الٰہی ہو۔ دولت وسیلہ عبادت ہے، جیسے زکوۃ، حج وغیرہ دولت نہ ہو تو یہ عبادات نہیں ہو سکتیں۔

حدیث: اِنّ الدُّنیا خُلِقَت لَکُم و اَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلاخِرَة

یہ دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے بنائے گئے ہو۔

اگر دولت، مطلق مُذمّت کی چیز ہوتی، تو زکوۃ فرض نہیں ہوتی، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین مال دار نہ ہوتے، حالانکہ ان میں کروڑ پتی تھے، لکھ پتی تھے اور ہزار پتی بھی تھے۔ اسی طرح ائمہؑ ہدایت کے اندر بھی دولت مند موجود تھے، خود نعمان بن ثابت، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھ پتی تھے۔

زکوۃ کی روح (spirit) خیر خواہی ہے، اپنی کمائی سے ایک حصّہ دوسروں کو دے کر اپنے اندر یہ جذبہ ابھارے کہ وہ دوسرے کے مسٔلہ کو اپنا مسٔلہ اور

دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھتا ہے۔ اگر زکوۃ جیسی مالی عبادت سے انسان میں اس کی روح نہ آئے جو کہ مقصد ہے تو یہ عبادت مردہ ہے اور ایسی ہی بے قیمت ہے جس طرح انسان کے جسم سے روح نکل جانے پر بے قیمت ہو جاتا۔

شریعت اسلام میں یہی صحیح ہے کہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ بھی فرض ہوئی ہے، چنانچہ پوری قرآن مجید میں وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کا جوڑ ۳۲ مقامات پر ہونا اس کی دلیل ہے۔ مختصر یہہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز اور زکوۃ کا جس قدر ذکر کثرت سے ہے اور کسی عبادت کا اس قدر نہیں ہے۔ اس لحاظ سے نماز بدنی عبادت اور زکوۃ مالی عبادت ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کی حقیقت، بندے کا اپنے رب کی طرف محبت اور خشیت سے مائل ہونا ہے اور زکوۃ کی حقیقت، بندے کا بندے کی طرف محبت اور شفقت سے متوجہ ہونا۔

اسلام اور اخلاق

اسلام میں اخلاق کی تعلیم و تلقین سماجی سلوک کے طور پر نہیں ہے، جیسا کہ دیگر مذاہب میں ہے، بلکہ اسلام میں متقیانہ روش کی حیثیت سے اخلاق پر زور دیا گیا ہے۔

اسلام کے پانچ ارکان میں اخلاق کا تصور بطور تقاضہ موجود ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود کھائے مگر اس کے قریب کا پڑوسی بھوکا رہے۔ نماز کے بارے میں قرآن میں ہے کہ "نماز آدمی کو فحش اور منکر سے روکتی ہے۔" (سورۂ عنکبوت) زکوٰۃ ایک اعتبار سے تو عبادت ہے مگر دوسرے اعتبار سے اپنے مال میں دوسروں کا حق تسلیم کرنا ہے۔ روزے کے بارے میں حدیث میں ہے کہ جو آدمی روزہ رکھ کر جھوٹ بولے اس کا روزہ، روزہ نہیں بھوک پیاس

ہے۔ اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث میں ہے کہ "کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ اسی طرح آدمی کا حج باطل ہو جاتا ہے جو مناسک حج ادا کرنے کے دوران لڑائی، جھگڑے، گالی، گلوچ میں ملوث ہو جائے۔

ان سب کے علاوہ خود قرآن اور حدیث میں کثرت سے اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ إنَّما بُعثتُ لأتمِّمَ مكارمَ الأخلاقِ اور اس بات کو خلاصۂ اسلام کہا گیا ہے کہ آدمی لوگوں کے درمیان اچھے اخلاق کے ساتھ رہے ،اسلام میں خوش اخلاقی کا رشتہ خدا کے سامنے جوابدہی سے جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ جواب دہی کا یہ پہلو اخلاقی اعمال کے لیے بہترین محرک ہے اور اس سے اخلاق کی اہمیت بھی مذہب اسلام میں بڑھ جاتی ہے۔

اخلاق کی کمزوری، ایمان کی کمزوری ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے:

إنَّما بُعثتُ لأتمِّمَ مكارمَ الأخلاقِ (میری بعثت صرف اس لیے ہوئی ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں) نماز برائیوں سے روکتی ہے، زکوٰۃ معاشرے میں رحمت و دل سوزی کی تخم ریزی (بیج بونا) کرتی ہے اور اس سے معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان باہمی تعارف اور الفت و محبت کے رشتے قائم کرتا ہے، روزہ حصول تقویٰ کا زینہ ہے اور حج حُبّ دنیا کو کم کرنے کا ایک فریضہ ہے۔

عبادت کا یہ مجمل خاکہ ہے اور عبادات اسلام میں ایک بنیادی ستون کی حیثیت

رکھتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اور اخلاق کے درمیان کس قدر گہرا تعلق اور کتنا مضبوط اور پائیدار رشتہ ہے۔ یہ تمام عبادات اپنی روح اور ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن مقصد میں وہ آپس میں باہم مشترک ہے۔

اگر یہہ عبادات انسان کے قلوب کا تزکیۂ نہ کر سکیں اور ان کے اندر بہترین صفات کی پرورش نہ کر سکیں اور خدا اور بندوں کے تعلقات میں بہتری نہ لا سکیں تو انسان کے لیے تباہی اور ہلاکت ہے۔

اخلاق کی کمزوری ،ایمان کی کمی کی دلیل ہے۔ یا بد اخلاقی کا ظہور اسی سے ہوگا جس کا ایمان کمزور ہوگا۔ ایمان ایک ایسی قوّت ہے جو پست صفات اور رذائل سے روکتی ہے اور بلند صفات اور پاکیزہ اخلاق کی رغبت دلاتی ہے۔قرآن مجید میں جب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیر کی دعوت دینا چاہا، یا ان کو کسی برائی سے نفرت دلانا چاہا، یا ان کو بد اخلاقی سے خوش اخلاقی کی طرف لانا چاہا تو ایمان کے حوالے سے ہی مخاطب فرمایا۔ جیسے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا (سورۂ توبہ : ۱۱۹) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایمان مستحکم ہوگا اور طاقتور ہوگا تو اس سے مضبوط اور پائیدار اخلاق پیدا ہوں گے،اس کے برخلاف اگر ایمان کمزور ہوگا تو اخلاق بھی کمزور ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں جڑواں بھائی ہیں،جس نے ایک کو چھوڑا دوسرے کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔عبادات کو غیر شعوری طور پر انجام دینے سے اخلاق نہیں پیدا ہوتے اور عبادات کی صورتوں اور شکلوں کو غیر شعوری طور پر انجام دینے کی غلطی وہی کر سکتا ہے جس نے ان کی روح کو نہ سمجھا ہو، یا ان کے معیار تک نہ پہنچا ہو۔ بسا اوقات ایک بچہ بھی نماز کی

حرکتوں کی نقل کر لیتا ہے اور اس کے کلمات دہرا لیتا ہے ، لیکن اس طرح کی حرکتوں سے یقین اور ایمان کو اور مقصد عبادت کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔

جس کی عبادات کار آمد ہیں ،اس کے اخلاق بلند ہیں اور جو اس اخلاقی جوہر سے محروم ہیں،اس کی عبادات بے کار ہیں۔

مفلس کون ہیں؟

أتَدرونَ ما المفلِسُ ؟ إنَّ المفلسَ من أُمَّتي مَن يأتي يومَ القيامةِ بصلاةٍ وصيامٍ ، وزكاةٍ ، ويأتي وقد شتَم هذا ، وقذَفَ هذا ، وأكلَ مالَ هذا ، وسفكَ دمَ هذا ، وضربَ هذا ، فيُعْطَى هذا من حَسناتِه ، وهذا من حسناتِه ، فإن فَنِيَتْ حَسناتُه قبلَ أن يُقضَى ما عليهِ ، أُخِذَ من خطاياهم ، فطُرِحَتْ عليهِ ، ثمَّ طُرِحَ في النَّارِ [سنن ترمذی/کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع/حدیث: 2418]

حدیث کا مفہوم یوں آتا ہے کہ مفلس روز محشر وہ شخص ہے جس کے پاس

نماز، روزہ، زکوۃ، حج جیسی عبادات ہوں گی، لیکن وہ کسی کو گالی دیا ہوگا، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کی دل شکنی کی ہوگی، کسی کو مارا ہوگا۔ چنانچہ اس کی تمام نیکیاں اس کے مظلومین کو دے دی جائیں گی، پھر بھی اس کے مظالم اور گناہ باقی رہیں گے تو مظلوموں کی غلطیاں اور ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال کر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، منافق کا بھی یہی حال ہے۔

منافقت کیا ہے؟

انسان کے اندر باوجود ایمان کے رذائل (بُری صفات) کا پرورش پانا، یہہ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اخلاق کی ضد منافقت ہے ،اس اعتبار سے منافق میں تین.برائیاں ہوتی ہیں۔

(۱) وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔

(۲) وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے

(۳) امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس کا ایمان زیادہ مکمل ہے ؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ جو سب سے زیادہ بااخلاق ہو۔ دوسری جگہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا » إن احبكم إلي واقربكم مني يوم القيامة احاسنكم اخلاقا وإن ابغضكم إلي وابعدكم مني مساويكم اخلاقا الثرثارون المتشدقون المتفيقهون» . رواه البيهقي في »شعب الإيمان» قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہی شخص ہو گا جو زندگی میں سب سے زیادہ بااخلاق ہو۔

ایک طرف اسلام اگر انسانوں کے درمیان حسن اخلاق کا نام ہے ،تو دوسری طرف خدا اور انسان کے درمیان بہترین تعلق کا بھی نام ہے۔

دین کی ایک حقیقت-

دین کی ایک حقیقت اور اس کے کچھ خارجی مظاہر ہوتے ہیں، مظاہر کو حقیقت کی روشنی میں دیکھنا ہے، سمجھنا ہے، غور کرنا ہے،نہ کہ حقیقت کو مظاہر کی روشنی میں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا دین کا ایک خارجی مظہر ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور حکم کا مقصد آزمائش اور امتحان ہے کہ دین کی خاطر، اللہ کے حکم کے خاطر، اللہ کا بندہ سب کچھ لٹانے کے لیے تیار رہے۔ اگر اس حقیقت کے پہلو کو نظر انداز کر کے صرف خارجی مظہر پر غور کریں گے تو ہر انسان اپنا ایک نتیجہ اس سے اخذ کرے گا ہر ایک کی سوچ الگ اور عمل بھی الگ ہو جائے گا۔

شعیرہ، معنوی حقیقت کے لیے ظاہری علامت کا نام ہے۔

قرآن میں قربانی کے جانور کو شعیرہ کہا گیا ہے، یعنی علامت۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو تقوی پہنچتا ہے نہ کہ خون اور گوشت۔ اس کی اصل یہ ہے کہ اسلام میں کچھ چیزیں بطور شعیرہ یا علامت مقرر کی گئی ہیں، انہی میں سے ایک قربانی کا جانور بھی ہے، شعیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جو معنوی حقیقت کے لیے ظاہر علامت کا کام دے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ بندے اپنے مخالف اسلام جذبات کو اللہ کی خاطر ذبح کر دیں، یہ ایک نفسیاتی ذبح کی حالت ہے کہ آدمی ایک جانور کو ذبح کرے اور بوقت ذبح یہ الفاظ ادا کرے:

(اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) بے شک میری نماز، میری قربانی اور میرا مرنا، جینا سب اللہ کے لیے ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ جانور کی قربانیاں ایک معنوی حقیقت کی ایک ظاہری علامت ہے اور اس شخص کی قربانی ہی قربانی ہے جو ذبح کرتے وقت یہ تصور کرے کہ وہ اپنے پورے وجود کو اللہ کے لیے قربان کر رہا ہے اور جس کے لیے قربان کیا ہوا جانور اس کے اپنے جذبات اور احساسات کے ذبیحہ کا محسوس پیکر بن جائے۔

اس طرح قربانی میں جانور کے گلے پر چھری پھیرنا خود اپنی ذات کے اوپر چھری پھیرنے کے ہم معنی بن جائے اور ذی الحجہ کا حاجی پوری زندگی کا حاجی بن جائے۔

اگر غور کریں تو روزہ بھی اس قسم کا ایک شعیرہ ہے کہ ترک طعام حقیقتاً ترک گناہ کی علامت کے طور پر مقرر کیا گیا ہے غذا آدمی کی ضروریات کی آخری حد ہے روزے میں غذا کا ترک بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ خدایا! معصیت کا ارتکاب تو درکنار، میں پانی اور کھانا تک تیری خاطر چھوڑ سکتا ہوں۔

آدمی غور کرے تو پتہ چلے گا کہ عبادات کی بنیاد بیم ورجا (خوف اور امید) اور حُبّ الٰہی پر ہے، اور خوف کی نشانی محرمات کو ترک کرنا ہے اور امید کی نشانی عبادات پر ہمیشگی برقرار رکھنا ہے۔

بعض بزرگان دین عبادات کا دارومدار بیم خوف پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رجا (امید) انسان کو عبادات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ حضرت احمد بن انطاکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خدا سے محبت کی علامت یہ ہے کہ، انسان عبادت کم کرے، لیکن غور و فکر زیادہ کرے۔

حج اور اس کی حقیقت

حجّ یحجّ- ارادہ کرنا (کعبہ اللہ کا)

قرآن مجید میں حج کا لفظ ۱۰ جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔ حج کے لغوی معنی قصد اور ارادہ اور زیارت کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں احرام، وقوف عرفہ، اور طواف زیارت کو حج کہا جاتا ہے۔ حج ۹ہ ہجری میں فرض ہوا۔

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (سورہ آل عمران: ۹۷)

اور لوگوں پر خدا کا حق یعنی فرض یہ ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رہے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔

پانچ ارکان اسلام میں سے حج ایک ہے۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جس کو حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہو کے وہ اپنے وطن سے مکہ مکرّمہ تک جانے اور آنے پر قادر ہو اور اپنے اہل و عیال کے مصارف واپسی تک برداشت کر سکتا ہو۔ یوں تو حج کی فرضیت کا ذکر مختلف آیات قرآن میں ہے، لیکن مذکورہ آیت واضح ہے۔

مشاعر الحج, رسوم حج یا مناسک حج ادا کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مشاعر حواس کو کہتے ہیں،اِسی سے لا تشعرون ہے، یعنی تم اپنے حواس سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

حج کی حکمتیں:

اللہ حکیم ہے اور مقنّن ہے، قانون کے اسرار کو وہی جانے ہم نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ ہمارا علم اور ہماری عقل ناقص ہے۔اس لیے انبیائے کرام کو بھیجا گیا اور کتابیں نازل کی گئیں، کیونکہ انبیاء عقل میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر زمانے میں ہر قوم میں اور ہر ملّت میں یہہ دستور رہاہے کہ اس کے پیرو کسی خاص اور مقدس مقام پر مجتمع ہو کر تبادلہ خیال کرتے ہیں، اس طرح ایک دوسرے سے

استفادہ ہو سکتا ہے ، اپنی قوت اور شوکت کا اظہار ہو سکتا ہے ، اپنے مشاعر کی تعظیم کی جاتی ہے ۔ اس لیے اُمّت محمدیہ کے لیے شعائر اسلام مقرر کیے گئے ہیں، تاکہ ہر سال اطراف عالم سے مسلمان وہاں اکٹھے ہوں اور بیت اللہ کی عظمت کا مظاہرہ کریں۔ اس طرح حج باہمی تعارف، اتفاق اور اتحاد کے لیے ایک بہترین ذریعہ ہے کہ اختلافات کے باوجود اتحاد کی فضا ہو سکے۔

وہ مقامات جہاں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں، وہاں انبیائے کرام پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوا تھا، جب حاجی وہاں جائے گا تو وہ سب یادیں تازہ ہوتی ہیں اور ان کی اتباع کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ مناسک حج ادا کرتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو گی۔ اللہ اور رسول سے محبت کرنے والوں کے لیے ایک امتحان ہے، وہ سفر کی تکالیف اور مصائب کی پرواہ کیے بغیر نکل کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اُمّت محمدیہ کے لیے ان مقامات کی زیارت اس وجہ سے بھی قابل اہتمام اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کہ مکّہ مکّرمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا مقام ہے وطن ہے ،بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے اس کی زیارت ،اس کا طواف اور وہاں نماز کا ادا کرنا گویا دربار خداوندی میں حاضری دینا ہے۔

سفر حج آخرت کا نمونہ ہے۔ گھر چھوڑنا، اہل و عیال ، دوست، رشتے دار ، وطن اور سرزمین چھوڑ کر احرام کی حالت جو کفن سے مشابہ ہے ، میقات حج جو میقات قیامت کے مشابہ ہے، اور عرفات کا اجتماع محشر کے میدان کے اجتماع کے مترادف ہے۔ گویا حج میں توحید اور اطاعت خالق کا مظاہرہ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج مبرور (مقبول) وہ ہے کہ حاجی میں حج کے بعد آخرت کی رغبت اور دنیا سے بے توجہی پیدا ہو جائے ، (جو

کہ صحابہ کرام کی خاص صفت تھی) فضائل حج سے مومن میں حج کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور ان سے حج کا فائدہ اور حج کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔حج میں اصل مقصد اظہار عبودیت ہے اور خواہشات اور لذات نفسانیہ کا ترک ہے۔

حج اور عمرے کے لیے احرام مثل تکبیر تحریمہ کے ہیں کہ جس طرح نمازی تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتا ہے اور دوران نماز بہت سی چیزیں جائز بھی ناجائز ہو جاتی ہیں، اسی طرح ایک حاجی احرام باندھ کر ارادہ کی پختگی اخلاص و عظمت کا اظہار، اپنی عبودیت اور عاجزی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

کامیابی تو فقط دل کے بدلنے پہ رہی
اپنے دل کو بھی بدل جامہ احرام کیساتھ

مقصد حج میں یہ بات ہے کہ حج، محبوب پر فدا ہونے کا ایک ذریعہ ہے کہ اسے تن من دھن کی خبر نہ ہو، نہ کپڑوں کی، نہ آرائش کی، نہ زیبائش کی، نہ لباس کی اور نہ پاسداری کی، نہ اپنی حالت کی، بال منتشر، ناخن بڑھے ہوئے، لبیں دراز، نہ مال و زر کی پرواہ، نہ کھانے کی، نہ عطر نہ خوشبو، صرف گریہ و بکا سے سروکار اور محبوب کی محبت میں وارفتہ ہو کر دیوار سے لپٹنا اور رونا ہے۔

احرام کی چادر زیب گلو، اشکوں کا طلاطم بہر وضوء
لبیک کی ہر ایک لب پہ صدا سبحان اللہ سبحان اللہ

احرام کی حالت میں اگر خود کی آرائش نہ کی، بلکہ دوسروں کی زیبائش کے خیال سے کسی کی مونچھیں کترے یا ناخن کاٹے خواہ وہ شخص حالت احرام میں نہ ہو تو بھی محرم کو صدقہ بصورت طعام دینا واجب ہے، کیونکہ یہاں بھی دوسروں کی

زیبائش سے خود کو کسی قدر راحت نفسیاتی طور پر ملی تھی جو مزاج حج کے خلاف ہے۔

حج عشق و محبت کی تصویر اور دیوانگی اور فرزانگی کا ایک عجیب سنگم ہے۔ حج قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے، حج رنگ و نسل، قوم و وطن اور جغرافیائی حدود کی حد بندیوں کو ختم کر کے ایک ہی رشتے میں قوم اور ملت کو منسلک کرنے کا ایک اہم پروگرام ہے۔ حج خالق اور مخلوق کے درمیان رشتۂ الفت استوار کرنے کا ذریعہ ہے، باہمی اتحاد، باہمی تعاون حج کا تقاضہ ہے، حج میں حالت فرزانگی سے زیادہ حالت دیوانگی کا تقاضہ ہے۔ حج میں کمال عقل کی نہیں کمال عشق کی ضرورت ہے۔

حج اور طواف کعبہ کی وجہ:

انسان عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت کی دو قسمیں ہیں: ایک انکسار اور تذلّل، دوسرا محبت اور ایثار۔ پہلے کے لیے نماز کا حکم دیا گیا جو جسم کے اعتبار سے انسان کے ہر عضو کو خشوع و خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے، یہاں تک کہ دلی سجدے کے ساتھ ساتھ جسم کا سجدہ بھی رکھا گیا تا کہ روح اور جسم دونوں اس عبادت میں شامل ہوں۔

اللہ تعالیٰ روح اور جسم دونوں کا خالق ہے اور دونوں پر اس کا حق خالقیت ہے۔ علاوہ اس کے جسم اور روح ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں، بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدے کے لیے محرک ہوتا ہے اور بعض وقت روح بھی جسم کے اندر سجدے کی حالت پیدا کرتی ہے۔ پس جس طرح عبادت کی ایک قسم سے تذلل اور انکسار سے جسم کے اثرات روح پر پڑتے ہیں، اسی طرح عبادت کی

دوسری قسم محبت اور ایثار میں بھی انہی تاثیرات کا جسم اور روح میں تاثر اور تاثیر ہے۔

چنانچہ محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانے کو بوسہ دیتی ہے۔ سات کا عدد رمزیہ یا علامتی (Symbolic) ہے، ایسا وقت جس کی نہ ابتدا معلوم اور نہ انتہاء، ہفتے میں سات دن ،وہی سات دن بار بار اپنے کو دہراتے ہیں، اور بہت سی چیزیں ہیں سبع سماوات وغیرہ۔اس طرح سات کا ہندسہ بطور رمز غیر محدود کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ،لہٰذا اللہ کے گھر کی پاسبانی کے لیے اگر ہم سات مرتبہ اس کے اطراف چکر لگائیں، تو یہ ابدی طور پر اپنے فریضے کی انجام دہی کے ہم معنی ہو جاتا ہے۔

پس محبانِ صادق سے یہ فرمایا گیا کہ دیکھو خانہ کعبہ میرا گھر ہے اور حجر اسود میرے آستانے کا پتھر۔ پس حاجی خدا کی محبت میں دیوانے اور مست ہیں کہ زینت سے دور ہو کر سر منڈوا کر کعبے کا عاشقانہ طواف کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو اللہ کی محبت پورا کرنے کے لیے حج ایک راستہ ہے۔

ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ اگر تم باطن میں (روح میں) کوئی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کی ظاہری صورت (جسم پر) پیدا کر لو، پھر تمہارا باطن اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حج کے تمام مناسک اور اعمال اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کا مظہر ہیں، حج کے ظاہری اعمال کا باطن پر اثر پڑتا ہے، حج کے مناسک سے عشق و محبت کا یہی جذبہ ابراہیمی ظاہر ہوتا ہے۔ انسان ابن الحال ہے جیسا حال ہوگا ویسی کیفیات پیدا ہوں گی۔

قرآنی تعلیم سے بھی یہ واضح ہے کہ اصل چیز ظاہری رسوم نہیں ہے، بلکہ

باطنی روح ہے۔ جیسا کہ مفہوم آتا ہے کہ اصل چیز قربانی نہیں ہے، بلکہ قربانی کا دارومدار حق تعالیٰ کی محبت، اس کی رضاجوئی اور اس کی قرب طلبی ہونا چاہیے۔

جس طرح روح، جسم کے بغیر نہیں رہتی اور روحانی افعال کا اعتبار جسمانی افعال کے بغیر نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا میں خاص خاص افعال یا جسمانی حرکات یا حالات کے بغیر روح کا ارتقاء اور اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے صوفیائے کرام نے باطن کے ساتھ ظاہر کی حفاظت پر پورا زور دیا ہے۔

دل کی خاطر ہوا ہوں خاک نشین
خود ہی گِر کر اسے سنبھالا ہے
میرے حالات مجھ کو چھو نہ پائیں
مجھے ہر حال میں انسان رکھنا

حج کی اصل، اول سے آخر تک قربانی ہے۔ تمام مناسک حج میں جو روح کا کام کرتی ہے وہ قربانی کی روح ہے، حج کے موقع پر جانور کی قربانی، اس حقیقتِ حج کا علامتی اظہار ہے۔ بظاہر آدمی ایک جانور کو لٹا کر اس کی قربانی کرتا ہے، مگر جانور کی قربانی دراصل اپنی جان کی جگہ، اپنی جان کے بدل کے طور پر ہے۔ حقیقی قربانی یہہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ میں خود اپنے آپ کو آخری حد تک اللہ کے حکم کے آگے ڈال دیا ہوں، کہ جانور کے گلے پر چُھری چلنا خود اپنی ذات پر چُھری چلانے کے ہم معنی ہو جائے۔ حج کی یہ حقیقت خود قربانی کی دعا سے ظاہر ہے۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آوے۔

حج اول تا آخر قربانی کا سبق ہے۔ حج میں آدمی کو اپنے کام اور اپنی مشغولیت

کو چھوڑ کر نکلنا پڑتا ہے یہ وقت کی قربانی ہے۔ وطن سے نکل کر دور کے سفر کا ارادہ کرتا ہے، یہہ معمولاتِ زندگی کو توڑنے کی قربانی ہے۔ روز مرہ کے اخراجات میں ایک نئے خرچ کا اضافہ ہوتا ہے، یہ مال کی قربانی ہے۔ کعبے کا طواف سات مرتبہ، صفا مروہ کے درمیان سعی سات مرتبہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کا سفر اور قیام، کھانے پینے کے اوقات میں تبدیلی، یہہ سب جسم کو تھکانا ہے، یہ جسم کی قربانی ہے۔ دوران مناسک حج، مسلسل تلبیہ یعنی اللہ کی یاد کرنا، گریہ وزاری کے ساتھ یہہ انا کی قربانی ہے۔ حج کے مقدس سفر اور مناسک حج کے دوران اجنبی لوگوں کے ساتھ رہنا بسنا پڑتا ہے، طرح طرح کی ناخوشگوار باتوں، حرکتوں سے سابقہ پڑتا ہے، کڑوی باتیں، تلخ انداز، کرخت مخاطبت، ترش روی اور کھانے پینے کے طریقے بدلے ہوئے، کسی سے دکھ پہنچا، کہیں نقصان پہنچا ان سب باتوں سے نفس پر چوٹ پڑی، یہہ سب احساسات کی قربانی ہے۔ جو بلاشبہ تمام قربانیوں سے بڑی قربانی ہے۔ اس طرح حج گویا قربانیوں کی مشق، صبر و تحمل کی مشق اور تربیت ہے۔ حج آدمی کو مالی، جسمانی اور روحانی شدائد کے مختلف مراحل سے گزار کر اُس کو اُس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ ایک با عمل انسان بن جاتا ہے۔ اور بقیہ سفر حیات میں سفینۂ حیات کو قانون الٰہی کی پوری باخبری کے ساتھ کنارے لگا سکنے کے قابل ہوتا ہے۔

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

حج ابراہیمی کردار چاہتا ہے

حج کوئی جامع قسم کی رسم نہیں ہے، بلکہ وہ ایک زندہ اور بامعنی عمل ہے۔

حج اپنی روح کے اعتبار سے اِس بات کا پیغام ہے کہ مومن ہر حال میں ایک بامقصد زندگی گزارے، خواہ اِس کے لیے اس کو کتنی ہی زیادہ قیمت کیوں نہ دینی پڑے۔ مراسم حج گویا با مقصد زندگی کی عملی مشق ہے، جو علامتی انداز میں، مخصوص تواریخ میں، مخصوص مقامات سے یعنی کعبۃ اللہ، صفامروہ، عرفات، منیٰ، مزدلفہ وغیرہ سے گزار کر کرائی جاتی ہے، تاکہ حاجی اپنے ماحول میں واپس آکر ان کو حقیقی طور پر اپنی زندگی میں دہرائے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

بامقصد اس زندگی کی تربیت کے لیے ایک ایسے انسان کا نمونہ منتخب کیا گیا ہے، جو اس معاملے میں ایک مثالی انسان کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مثالی اور تاریخی شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے، ان کا زمانہ چار (۴) ہزار سال قبل کا زمانہ ہے، یعنی ۲ ہزار قبل مسیح۔ اُنھوں نے اللہ کی خاطر پورے معنوں میں ایک بامقصد زندگی گزاری۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ شرک سے انسانیت کو ہٹا کر توحید کے عقیدے پر قائم کیا جائے۔ اس پاک مقصد نے جن جن قربانیوں کا تقاضا کیا وہ ساری قربانیاں انھوں نے پیش کیں۔

آزر کا پیشہ خارا تراشی
کار خلیلاں خارا گدازی

چنانچہ آپ کی حیات مبارکہ کے مختلف مراحل کو حج میں علامتی طور پر دہرایا جاتا ہے کہ جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی تیاری کی گئی، اسی جگہ جانور کو قربان کیا جاتا ہے اور جہاں آپ کو شیطانی بہکاوا ہوا، وہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں، اس سے حاجی کے اندر یہ عزم پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ دنیا

میں سنجیدہ اور بامقصد زندگی گزارے۔ یعنی مقصد حق کے لیے زندہ رہے اور مقصد حق کے لیے مرنے کا وقت آیا تو مقصد حق کی خاطر بیٹے کی قربانی دے دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر مطلوبہ قیمت ادا کر دی، مگر مقصد سے نہیں ہٹے جو اللہ نے انہیں بتایا تھا۔

عشق فرمودۂ قاصد سے سُبک گامِ عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر مطلوبہ قیمت ادا کر دی۔ خلیل اللہ ہو گئے، اُمت کے پیشوا ہو گئے۔ اس طرح حاجی کو یہ کرنا ہے کہ وہ ہر ضروری قیمت ادا کر دے، مگر مقصد کی شاہراہ کو کبھی نہ چھوڑے، پھر حاجی کی زندگی اس شعر کی ترجمان ہو جائے۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

حج سے حاجی اپنے اندر توحید کی شمع جلائے، ابراہیمی کردار پیدا کر دے، اللہ کے خاطر اللہ کے گرد گھومنے والا، اللہ کے خاطر دوڑنے والا ہو جائے، اللہ کے خاطر عفو و در گزر کرنے والا، آپس میں متحد رہنے والا بن جائے، ان سب باتوں کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے والا ہو جائے، جو کہ سنت ابراہیمی ہے۔ اللہ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ اللہ کو اس کا تقوی پہنچتا ہے۔ یعنی جانور کا ذبیحہ ایک علامتی عمل ہے، اس کے ذریعے جو اصل چیز ہے وہ یہ ہے کہ ذبیحہ کرنے والا اپنے اندر تقوے کا جذبہ پیدا کرے۔ یہی تمام مراسم حج کا معاملہ ہے کہ ظاہر کو

اپنے باطن میں اتار لے۔ حاجی نہ صرف ذی الحجہ کا حاجی ہو، بلکہ پوری عمر اور پوری زندگی کا حاجی بن جائے۔

غریب، سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اُس کی حُسین ابتدا ہے اسماعیل

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کی خاطر شہید ہو گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی حق کے حکم پر تیار ہو گئے ذبح ہونے کے لیے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ قمری سال کے آخری ماہ ذی الحجہ میں پیش آیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت قمری سال کے اول ماہ میں پیش آیا۔

آج کا حج کہیں دنیاوی مفاد کو مقصد بنا کر ہو رہا ہے، تو حج کہیں تبدیلی مقام ، یا حج برائے شہرت، برائے تفریح، یا برائے سیاحت، یا برائے زیارت، رشتہ دار حال مقیم سعودیہ ہو رہا ہے۔

حدیث قریب ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ میری امت کے بادشاہ شہرت کے لیے حج کریں گے، اور امراء بڑائی اور رفعت کے لیے، اور متوسط طبقے کے لوگ تجارت کی غرض سے، اور علماء ریاء اور دکھاوے کے لیے حج کریں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف و جملہ معاونین و اہل و عیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔

ترتیب اور نتیجہ فکر
الحاج قاری محمد ارشاد علی
مولوی عالم نظامیہ، بی کام عثمانیہ
ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج
مولف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن

باہتمام
صاحبزادہ محمد طاہر علی